© rasailojaraid.com

ہمارا میزبان، اللہ کا مہمان

ڈاکٹر شاہد کاشمیری ☆

موت سے کسی بھی ذی روح کو مفر نہیں یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ موت کے آنے کا افسوس اور زندگی کے چھن جانے کا غم مناسب نہیں مگر ہم رشتوں اور واسطوں کے اچانک ختم ہو جانے، ضرورتوں کی محرومیوں اور چاہتوں کے چھن جانے پر غمناک ہوتے ہیں۔ میں یہ سطور لکھتے ہوئے رنج والم کے شدید احساس میں ہوں کیونکہ اس صوت حال کی کوئی توقع نہ تھی۔ اگرچہ عمر میں خود سے چھوٹوں کا بچھڑ جانے کا داغ ایک عام تجربہ ہے مگر ذہنی طور پر کوئی بھی اس کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ برادرم ذوالکفل بخاری کا اچانک داعیِ اجل کو لبیک کہہ دینا ہم سب کے لیے اندوہناک حیرت کا باعث ہے۔ ان کا شمار ایسے بیدار مغز، فردوس نظر اور پُر بہار لوگوں میں ہوتا ہے جو عام آدمیوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایسی شخصیات کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے عام پیمانے بھی استعمال نہیں کیے جا سکتے۔

دیکھ یہ لوگ کچھ الگ سے ہیں
اِن کو میزانِ عام پر مت تول

ہم دونوں میں تفاوتِ عمری کا دورانیہ چودہ برس پر محیط ہے۔ گو میں چودہ برس بڑا ہوں مگر اُن کے جسمانی قد کی طرح اُن کی علمی قامت بھی بہت بلند تھی۔ اِس امر کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اُن کی صحبت و قربت میں رہا ہو۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وہ کبھی میرے نظریاتی رویے یا کسی بھی قسم کے فکری، علمی اور ذاتی معاملے میں مجھ سے ناراض ہوئے ہوں یا مجھے اُن کی کوئی بات ناگوارِ خاطر ہوئی ہو۔ انھوں نے میرا ہمیشہ احترام کیا۔ اس کی شاید وجہ یہ تھی کہ میں عمر میں بڑا تھا یا یہ کہ میری قربت بڑے شاہ جی سید ابوذر بخاریؒ اور سید عطاء المحسن شاہؒ صاحب سے زیادہ رہی ہے، مگر میں نے ہمیشہ رشتوں سے زیادہ اُن کے علمی مرتبے، ادبی ذوق اور تقویٰ کی بنا پر ان کی تکریم کی ہے۔ وہ اپنے والدین اور خاندان کا تو چشم و چراغ تھے ہی مگر ہم سب کی آنکھ کا تارا بھی تھے۔

ان کے خاندان سے میری انسیت اپنے والد گرامی مرحوم و مغفور (شہزادہ محمد شفیع) کی وجہ سے تو بہت تھی۔ میرا تعلق امیر شریعتؒ کے خاندان سے اس قدر بڑھ گیا کہ وہ مجھے اپنوں سے زیادہ عزیز تھے۔ ان کے اعلیٰ کردار، حسنِ اخلاق اور اخلاصِ عمل نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔

میری ان سے جب بھی ملاقات ہوئی میرے لیے فیض بخش ثابت ہوئی کیونکہ موصوف علمی حوالے سے کوئی نہ کوئی نئی بات، نئی سوچ اور لکھنے لکھانے کی نئی سمت اور جہت پر مائل اور قائل کرتے رہے۔ میرا جب بھی ملتان جانا ہوا یا وہ لاہور تشریف لائے ہمارا سلسلہ تکلم رات بھیگنے تک جاری رہا۔ ہماری گفتگو کے موضوعات میں مذہب، ادب، سیاست، معاشرت، معیشت اور بین الاقوامی حالات حاضرہ سبھی کچھ شامل ہوتا۔ چونکہ وہ نہایت شائستہ، ہنس مکھ، خوش پوش اور خوش گفتار تھے اس لیے ہر کوئی ان کی مقناطیسی شخصیت کے حصار میں کھنچا چلا آتا۔ موصوف اپنی گفتگو میں مزاح اور شگفتگی کا ایسا تڑکا لگاتے کہ ہم کلام کے علاوہ محفل میں بیٹھے دیگر افراد کے چہرے بھی متبسم ہو جاتے۔

☆ پرنسپل گورنمنٹ کالج باغبان پورہ، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ خوش کلام ایسا کہ اس کے پاس ہمیں
طویل رہنا بھی لگتا ہے مختصر رہنا

میری ان سے آخری ملاقات ۱۲/نومبر ۲۰۰۹ء کو ہوئی۔ وہ مجھے اور میرے رفیقِ سفرِ حج ملک محمد یوسف کو ضیافت پر لے جانے کی غرض سے بیت اللہ میں تشریف لائے۔عشا کے بعد ان کا فون تھا۔''نماز سے فارغ ہوکر بابِ عبدالعزیز کے باہر گھڑی کے پاس آجائیں۔'' ہم باہر نکلے تو اُن کی منتظر آنکھوں اور حیا وتقویٰ سے بھر پور متبسم چہرے نے ہمارا استقبال کیا۔ پھر ہمارے ساتھ ہی وہ مسفلہ میں ہوٹل تک پیادہ پا سفر کرتے ہوئے آئے۔ راستے کے سیلابی ہجوم، میرے ذیابیطس کے مرض اور طبع نازک ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے فرمانے لگے کہ جیب میں کوئی نہ کوئی میٹھی چیز ضرور رکھا کریں۔ گھبراہٹ وغیرہ ہو تو فوراً کھالی۔ میرے رفیقِ سفر نے ذوالکفل سے میرے بارے میں کہا کہ شاہد نے یہاں پہنچتے ہی عمرہ کرنے کا حکم دیا اور مجھے تھکا دیا۔ ذوالکفل نے فوراً شکوہ دور کرتے ہوئے کہا کہ ملک صاحب! ہر آدمی کی اپنی کیفیت ہوتی ہے اِس لیے درگزر فرمائیں۔

ہوٹل پہنچ کر انھوں نے اپنے ساتھی پروفیسر سجاد صاحب کو گاڑی لانے کا کہا۔ چند لمحوں میں گاڑی آگئی۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ہم ذوالکفل کی رہائش گاہ میں تھے۔ دسترخوان بچھنے اور کھانا چننے میں تاخیر نہ کی گئی۔ مرحوم کے دونوں بچے معصوم اٹھکیلیاں کرتے ہوئے ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھے۔ عشائیے کے بعد حالاتِ حاضرہ اور ادب وسیاست پر تادیر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ مرحوم کا اصرار تھا کہ رات اُن کے ہاں قیام کیا جائے مگر میں نے معذرت چاہی کہ آپ نے صبح یونیورسٹی جانا ہے اور مجھے علی الصباح حرمِ پاک پہنچنا ہے اور میری منزل یہاں کی نسبت ہوٹل سے زیادہ قریب ہے۔ میرے امرِ واقعی کو عذرِ لنگ نہ گردانتے ہوئے موصوف نے نہ صرف اجازت دے دی بلکہ اپنے پانچ سالہ بیٹے کے ہمراہ رات ڈیڑھ بجے ہمیں ہوٹل ڈراپ کرنے کے مکلّف بھی ہوئے۔

''بھائی صاحب کالم نگاری کے لیے اخبار تبدیل کرلیں تو بہتر ہے۔'' واپسی کے سفر میں میرے اِس مشورے پر انھوں نے نہ صرف تائیدی کلمات کہے بلکہ تحسین بھی کی۔ جب ہم گاڑی سے اترنے لگے تو انھوں نے ایک اور خوش خبری سنائی کہ تلہ گنگ سے محمد عمر فاروق صاحب بھی فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں پہنچنے والے ہیں۔

۱۴/نومبر کو میں طواف میں مصروف تھا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں موبائل تھا اور مختلف لوگوں کی گھنٹیوں کی آوازوں میں مجھے طواف کی یکسوئی کے ٹوٹنے کا احتمال ہوا۔ میں نے فارغ ہوکر فون کیا کہ بھائی ذوالکفل میں تو فقہی مسائل کے حوالے سے کورا ہوں۔ ذرا ایک مسئلہ تو بتادیں۔ انھوں نے جواب دیا مسئلہ تو بتا ہی دیا جائے گا مگر مجھے خوشی اِس بات کی ہے کہ آپ نے اِسی بہانے فون تو کیا۔ پھر مسئلے کے حوالے سے فرمانے لگے ''آپ بھی ضروری ہو تو فون سن لیا کریں۔'' اس کے بعد انھوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے ضمن میں اپنے چچا جان سید مصطفیٰ شاہ صاحب، سید محمد عقیل شاہ صاحب اور چچی صاحبہ کی آمد کے حوالے سے خوشی کا اظہار کیا اور برادرِ عزیز عامر شہزاد کی صلاحیتوں اور خاص طور پر تحفظِ ختم نبوت کے حوالے سے ان کی فکرمندی اور سوچ پر تادیر گفتگو جاری رہی۔ یہ وہ باتیں تھیں جو انھوں نے فون پر میرے گوش گزار کیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری اور ان کی آخری ملاقات ہوگی۔

وہ ۱۵/نومبر ۲۰۰۹ء ڈیڑھ بجے کے قریب یونیورسٹی سے واپسی پر ایک حادثے میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ مگر مجھے اس کی اطلاع بعد از نمازِ عشا ملی تو صحیح معنوں میں آسمان ٹوٹتا ہوا اور زمین پاؤں کے نیچے سے سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ۱۶/نومبر کی صبح نماز سے قبل میت بیت اللہ کے سامنے رکھ دی گئی۔ میں بیت اللہ کے سامنے اُن کی چارپائی کے ساتھ ہی نمازِ فجر تک بیٹھا رہا۔ بعد نماز فجر ۲۰ لاکھ کے قریب حرم کے نمازیوں نے نماز جنازہ ادا کی اور پھر جلدی سے جنت المعلیٰ میں ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے قدموں کی جانب احاطۂ بنی ہاشم میں بنی ہاشم کا یہ فرزند ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سوگیا۔ وقت انتہائی سرعت سے گزر رہا ہے۔ اِس سانحے کو دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے مگر دل اُن کی مفارقت مانتا ہی نہیں۔ لگتا ہے ابھی فون کروں گا اور وہ محبت آمیز بے تکلفی سے کہیں گے شکر ہے آپ نے کسی بہانے ہمیں فون تو کیا......

© rasailojaraid.com